© rasailojaraid.com

از: حکیم عبدالقوی دریابادی

عصمت چغتائی

ایک قابل نفرین سیرت اور اس کا انجام

مشہور فحش نگار اور ترقی پسندوں کی سرتاج عصمت چغتائی تقریباً ۸۰ سال کی طویل عمر پاکر اس دنیا سے رخصت ہوگئیں اور انھیں ان ہی کے حسب وصیت مسلمانوں کی طرح دفن نہیں بلکہ جلایا گیا۔ ترقی پسند حلقوں میں ان کا ماتم ہو رہا ہے اور ان کا شمار سعادت حسن۔ راجندر سنگھ بیدی اور کرشن چندر کی صف میں کیا جارہا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی فحش اور اخلاق تحریروں میں ان سب سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھیں۔ ان کا بدنام ترین جنسی افسانہ "لحاف" جن کو ان کے ادب پاپے ادبی کا شاہکار کہا جاتا ہے خشونت سنگھ کے سے صحافی نے (جن کی تحریروں میں شہوانیت عموماً نمایاں رہتی ہے) اسے فحش قرار دے کر اسے چھاپنے سے انکار کردیا تھا۔ افسانہ کی اشاعت کے بعد اس کے خلاف مقدمہ بھی چلا۔ بھلا ہو رائج الوقت قانون کی بے بضاعتی کا کہ عدالت نے ان کو بری کردیا ایک شریف اور معزز مسلم گھرانہ میں پیدا ہونے اور نشو و نما پانے کے باوجود ان کے قلم کا اٹھان اسلامی اور اخلاقی قدروں سے بغاوت کا ہوا اور اسی کو ان کا سرمایۂ کمال تصور کیا گیا۔ ان کی کتابیں "ضدی" اور "چوٹیں" سب اسی رنگ کی تھیں۔ اپنے حقیقی بھائی اور اپنی دل چسپ تحریروں میں انتہائی بے اعتدالی برتنے والے اور مذہبیات و اخلاقیات سے تمسخر کرنے والے مرزا عظیم بیگ چغتائی مرحوم (جن کو وفات سے قبل توبہ اور رجوع کی توفیق ہوگئی تھی) کے انتقال پر اپنے مضمون "دوزخی" میں ان کا خاکہ جس بے باکی سے پیش کیا اور جس طرح ان کی زندگی اور مرض الموت جس میں انھیں بدترین قسم کے جسمانی آزار جھیلنے پڑے تھے۔ ان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفصیلی نقشہ عبرت کے لہجہ میں نہیں بلکہ خالص ترقی پسندانہ مضحک لہجہ میں پیش کیا ان کے مرنے پر ان کے مداح، مضمون نگاروں نے اس کی خصوصی داد دی اور ایسی باغی خاتون جو مرد کے تابع نہیں رہنا چاہتی تھی اور مرد کو اپنے سے اعلیٰ وارفع تو خیر کیا مانتی بلکہ موقع ملنے پر اس کی تذلیل پر بے دھڑک اتر آتی تھی، ان کے پس مرگ قدردانی کرنے والوں میں سے ایک نے یہ بھی لکھا ہے کہ ۱۹۳۰ء میں جس فساد کی بنیاد انھوں نے ڈالی تھی اس کی چنگاریاں ان کے مرتے دم تک پر تصنع سماج (ظاہر ہے کہ اس سے مراد مسلم معاشرہ ہی ہے) کی زبوں حال قدروں کو خس وخاشاک کی طرح جلاتی رہیں۔ انھوں نے ریڈیو پر کبھی کبھی تقریریں کیں۔ ان میں بھی وہ اپنے اسی مخصوص اسٹائل میں مرد ذات کو گالیاں دیتی رہیں اور اس کے تفوق سے انکار کرتی رہیں۔

مذہب اسلام سے ان کو کتنا لگاؤ تھا اور آزادی کے بعد مسلمانان ہند کو کن حالات سے گزرنا پڑا اس کے بارہ میں ان کے ایک مداح کا یہ چونکا دینے والا انکشاف بھی پڑھ لیجیے:

"عصمت آپا وطن پرست تھیں اور سیکولر مزاج۔ ایک مرتبہ (ان کے مرحوم شوہر) شاہد لطیف نے ان سے کہا چلو پاکستان چلتے ہیں عصمت چغتائی نے فوراً کہا کہ اگر زیادہ بولے تو ہندو ہو جاؤں گی۔ انھوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ یہاں ہمارے ملک ہندوستان میں مجھے کہیں متعصبانہ رویہ کی شکایت کا موقع نہیں ملا۔"

انھوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ میں نے بھگوت گیتا کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا اور میرے نزدیک یہ دنیا کی سب سے اہم ترین کتاب ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ گیتا میں دنیا کے (WISDOM) عقل وفکر کا نچوڑ موجود ہے۔"

ان خیالات کی حامل عورت نے اگر یہ وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے ہندو کی طرح جلایا جائے تو اس پر کسے تعجب ہو سکتا ہے۔ حمید ڈلوائی اور تسری چھاگلہ اس سے قبل ایسی ہی وصیت کرکے اپنے وارثوں سے اس پر عمل کروا چکے تھے البتہ حمید ڈلوائی نے موت سے قبل یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ میں سرے سے مسلمان ہی نہیں ہوں۔

زندگی بھی اردو زبان میں لکھنے والی اور اس کی ادیبہ شمار ہوتے والی اس خاتون نے ایک ترقی پسند شاعر مجروح سلطان پوری کے ساتھ یہ مشورہ پوری بلند آہنگی کے ساتھ دیا تھا کہ اردو کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجودہ رسم الخط کو دیوناگری میں تبدیل کر کے لسانی جھگڑے کو ختم کر دیا جائے ان کی اس تحریک پر شدید ردعمل ہوا۔ اور حد یہ کہ ترقی پسند ادیبوں کی اکثریت نے بھی اسے ٹھکرا دیا لیکن باغیانہ فطرت والی عصمت چغتائی اپنی اس رائے پر اٹل رہیں۔

ہندوؤں کی مذہبی کتاب گیتا جس کی انھوں نے اتنی تعریف کی، بہرحال اخلاق کی ایک کی ایک اعلیٰ کتاب ہے اس کو سمجھ کر پڑھنے کے بعد ان کے قلم سے اس قسم کے خرافات اور فحشیات کا نکلنا اور زیادہ حیرت انگیز ہے آخر زمانہ میں انھوں نے ایک افسانوی نشست کی صدارت کرتے ہوئے عریانی کی تائید میں یہ فقرہ بھی کہہ ڈالا کہ

"قدرت نے ہمیں قمیص پاجامہ پہنا کر نہیں پیدا کیا"۔

غالباً تعمیر حیات کو چھوڑ کر شاید ہی مسلمانوں کے کسی اخبار یا رسالہ نے اس خاتون کی فحش نگاری اور اس کے نتیجہ میں ان کا جو انجام خود ان ہی کے حسب وصیت جلائے جانے کی شکل میں ہوا اس پر قلم اٹھانے کی کوئی ضرورت محسوس کی۔ (تصورِ حیات، لکھنو)

(بقیہ مولانا محمد صادق)

رنگ کا رومال ہوا کرتا تھا۔

دیوبند میں حصولِ علم کے دوران مولانا عبید سندھی، مفتی کفایت اللہ دہلوی اور مولانا انور شاہ کشمیری آپ کے ہم جماعت تھے۔ اس کے علاوہ آپ کے رفقاء کار کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ان میں سجاول کے سید حاجی سید عبدالرحیم شاہ اور جھنڈے اور کا مارو والے پیر مولانا احمد سعید، ابوالکلام آزاد، پیر مجدی سندھی، مولانا احمد علی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ کے شاگرد جو دنیا بھر میں دینی و دنیاوی فرائض انجام دے رہے ہیں ان کا شمار کرنا مشکل ہوگا۔

آپ کا تعلق جمعیت العلماء ہند سے تھا۔ آپ بہت متقی، مستقل مزاج، شگفتہ مزاج، پرہیزگار، مہمان نواز، خدا ترس، امانت دار بزرگ عالم شخص تھے۔ آپ کی سندھ کی تہذیب سے بہت محبت تھی۔ آپ کا انتقال ۱۸ ارجون ۱۹۵۳ء کو کراچی میں ہوا اور گلبائی قبرستان میں سپرد کیا گیا۔

© rasailojaraid.com